© rasailojaraid.com

ابو سلمان شاہجہان پوری

مولانا عبدالقادر قصوریؒ!

ایک نادر الوجود انسان اور سلفیت کا بدیع مرقع

اس جماعت کے بزرگوں میں کچھ پہلے آئے انہوں نے زمین ہموار کی۔ کچھ ان کے بعد آئے انہوں نے اس میں علم وعرفان کی تخم ریزی کی اور کچھ آخر میں آئے انہوں نے اس مزرعۂ دین کی آبیاری اور اس کی حفاظت کا فریضہ انجام دیا لیکن تقدم وتاخر کے باوجود اخلاف اپنے اسلاف کرام سے علم وتقویٰ، اخلاص عمل اور ایثار جان و مال میں کم تر نہ تھے۔ ان کے اخلاص و عمل اور علم وعرفان کا پیمانہ بھی اتنا ہی بلند وارجمند تھا جتنا کہ اسلاف کے حصے میں آیا تھا۔ وہ تمام اسلاف سے اخلاف تھا۔ درحقیقت ایک ہی سلسلۃ الذہب کی مختلف کڑیاں تھے۔ وہ تمام ابر نیساں کے وہ قطرے تھے جو اسلام کے صدفِ تعلیم وتربیت میں جگہ پاکر موتی بن گئے تھے۔ ان کے لیے اول وآخر اور تقدم وتاخر کی بحث لاحاصل ہے۔

مولانا عبدالقادر علمائے حق کے اسی مقدس گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ اس سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی تھے جس نے دوسرے سرے پر جگہ پائی تھی۔ وہ ابر نیساں کا ایک قطرہ تھے، جس کی قسمت میں موتی بننا لکھا تھا۔ آپ انہیں آخر السلف کہئے کہ ان کا تعلق دور آخر سے تھا لیکن وہ ایسے آخر السلف تھے جو اسلاف کے لیے باعث افتخار ہوتے ہیں۔ وہ سلسلے کی آخری کڑی تھے لیکن ان کی تعلیم وتربیت دینی اور اصلاح وتبلیغ اسلامی سے سلسلے کی جو دوسری کڑیاں ڈھلی ہیں۔ ان کے لیے ان کا وجود ربط وتسلسل کا باعث ہے۔ اگر یہ کڑیاں نہ ہوتیں تو زنجیر مکمل نہ ہوتی۔ وہ بارش کا آخری قطرہ تھے لیکن مسلمانوں کے نخل تعلیم و

© rasailojaraid:com

© rasailojaraid.com

تربیت کی شادابی اور پائیدگی کا انحصار اسی پر تھا۔

ان کے خاندان کے بارے میں ہمیں کوئی علم نہیں۔ یہ خاندان کون سا تھا۔ کہاں سے آیا، کب آیا؟ لیکن خاندان کے افراد کی شکل و شمائل سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ہندی النسل ہرگز نہ تھا کہیں باہر ہی سے کسی زمانے میں آیا تھا۔ لاہور کی تحصیل قصور نے اس خاندان کے قیام و سکونت سے شرف پایا۔ قصور میں یہ خاندان اپنی عزت و وجاہت کے لیے مشہور تھا۔

بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں مولانا عبدالقادر صاحب مطلع سیاست پر نمودار ہوا، اور اس شان کے ساتھ کہ دنیا ان کی فراست و تدبیر اور شخصیت کی رنگینیوں اور سیرت کی دلربائیوں کے نظارے میں محو ہو گئی۔ ان کی ذات نہ صرف لوگوں کی نظر و توجہ کا مرکز تھی بلکہ عقیدت و ارادت کا مرجع بھی تھی۔ وہ تقریباً ربع صدی تک اسلامی ہند کی سیاسی و دینی رہنمائی کے منصب پر فائز رہے۔ تحریک جہاد کے سلسلہ کی وہ نہایت اہم شخصیت تھے۔ مجاہدین کی امداد میں وہ پنجاب میں مرکزیت کا حامل تھے اور بعد میں تحریک ہجرت کے نظم و جمعیت کے لیے وہ مولانا آزادؒ کی جانب سے ماذون و مامور تھے۔ وہ بلا تفریق مذہب و ملت پنجاب کے ہر طبقہ خیال میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ پنجاب خلافت کمیٹی کے وہ صدر رہے۔ پنجاب پراونشل کانگریس کمیٹی کے بھی وہ مدت تک صدر رہے تھے اور جب تک وہ اپنی صحت کی بنا پر کنارہ کش نہیں ہوئے۔ آل انڈیا کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر بھی رہے۔ ۱۹۳۱ء میں کراچی کانگریس کے موقع پر وہ اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے اور اپنی جگہ ڈاکٹر محمد عالم کو ممبر بنوا دیا تھا۔ پھر جب صحت زیادہ خراب ہونے لگی تو سیاست سے بھی کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ مرکزی خلافت کمیٹی کی مجلس عاملہ کے بھی وہ ممبر تھے۔ ہر مکتبۂ فکر اور ہر طبقہ خیال کے لوگوں کو ان پر اعتماد تھا اور یقین رکھتے تھے کہ ان کی شخصیت ذاتی اغراض سے بلند ہے اور وہ کوئی قدم ملک اور قوم کے مفاد کے خلاف نہیں اٹھا سکتے۔ بقول شورش کاشمیری:۔

"وہ ایثار نفس اور ایثار ذات کا ایک قابل عزت نمونہ تھے"۔ [1]

---

[1] ہفت روزہ چٹان لاہور ۱۹۵۹ء ایک شمارہ ہے جس کی تاریخ جلد بندی میں کٹ گئی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کی فراست معروف اور دیانت ہر گروہ میں شک و شبہ سے بلند رہی۔ مولانا نصر اللہ خاں عزیز نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کا گھرانہ اس سلسلہ جہاد کی ایک کڑی تھا جس کا تعلق چمرقند کے مجاہدین سے تھا۔ مجاہدین ہندوستان میں آتے جاتے ان کے یہاں قیام کرتے تھے اور ان کی مالی اعانت مولانا ہی کے توسط سے مرکزی مجاہدین میں پہنچتی تھی۔ مولانا عزیز ان کے فہم و تدبر، ان کی دیانت اور ان کے سیاسی مقام کے اعتراف، مولانا آزاد سے تعلق اور ان پر اعتماد کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"پنجاب خلافت کمیٹی کے وہ صدر تھے اور مرکزی مجلس خلافت میں ان کو بلند مقام حاصل تھا۔ ان کی معاملہ فہمی، تدبر اور علم و دانش ہر طبقے میں مسلم تھی۔ خود مولانا ابو الکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے وقت کے عبقری سیاستدان سمجھے، ان سے بے حد متاثر تھے اور ہر معاملہ میں ان سے مشورہ کرتے تھے۔ تحریک خلافت کے زمانے میں بھی ان کا تعلق تحریک مجاہدین سے تھا۔ اس کا علم مجھے ایک روز پنجاب خلافت کمیٹی کے اجلاس میں ہوا۔ خلافت کمیٹی کے حسابات پیش ہو رہے تھے۔ ان میں کئی ہزار کی ایک رقم رجسٹر میں درج تھی مگر اس کی رسید موجود نہیں تھی۔ بعض ارکان نے اس پر اعتراض کیا اور اس کا مصرف معلوم کرنے پر اصرار کیا۔ اس پر سیکرٹری نے مولانا کی طرف رجوع کیا اور انہوں نے بتایا کہ یہ رقم مجاہدین کو دی گئی ہے اور سب لوگ مطمئن ہو گئے۔" [1]

مولانا غلام رسول مہر نے ان کے انتقال پر ایک نہایت شاندار مقالہ لکھا تھا اور اس زمانے میں ان سے سیاسی اختلاف کے باوجود ان کے ایثار اور ان کی دیانت کے بارے میں لکھتے ہیں

"وہ قومی خدمت کے میدان میں آئے تھے، اللہ کے فضل سے مادی وسائل کے نقطۂ نگاہ سے بہر طرح فارغ البال تھے۔ جب تک ان کی صحت لوگوں کے لیے مساعد رہی وہ اپنے تمام وسائل کو لیے قوم و ملت کی خدمت میں لگاتے

---

[1] ہفت روزہ چٹان لاہور ۱۷ نومبر ۱۹۶۹ء صفحہ ۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہے۔ انہوں نے قومی کاموں کے سلسلے میں ہزاروں میل کے سفر کیے لیکن جس حد تک ہمیں معلوم ہے کبھی کسی قومی سرمائے پر ایک حبہ کا بوجھ بھی نہ ڈالا بلکہ وہ جب خلافت کے دفتر میں بیٹھ کر کوئی ذاتی خط لکھتے تھے تو اس کے لیے کاغذ، ٹکٹ اور لفافے تک اپنی جیب سے منگاتے تھے۔" ؎

اس موقع پر ایک اور شذرے میں ان کے اخلاص، ایثار، تدبر اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے ان کی بے چینیوں کا ان الفاظ میں تذکرہ کیا ہے:۔

"مولانا عبدالقادر قصوری مرحوم نے سالہا سال تک کانگریس کی خدمت کی اور پنجاب پراونشل کانگریس کمیٹی کے صدر بھی رہے۔ بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ پنجاب میں کانگریس کو ان سے زیادہ مخلص، صاحب ایثار اور بے غرض رہنما آج تک نہیں ملا۔۔۔۔۔ مرحوم و مغفور کی عظمت اخباروں کے شذروں یا افتتاحیوں کی محتاج نہ تھی۔ وہ جس مسلک کو اچھا سمجھتے تھے، بے باکانہ اس پر کاربند رہے۔

ان کے محاسن کا کوئی حق شناس انکار نہیں کر سکتا۔ وہ حد درجہ ایثار پیشہ، غیور، بہادر اور مدبر تھے۔ سینکڑوں ہزاروں کارکن قومی سرمایوں سے اپنے مصارف وصول کرتے رہے اور یہ کوئی گناہ نہیں تھا لیکن مولانا مرحوم نے اپنی ساری زندگی میں ایک حبہ بھی نہ لیا۔ قومی کاموں کے سلسلہ میں سارے مصارف خود برداشت کرتے رہے۔ انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی بہت سی خدمات انجام دیں۔ اگرچہ نہرو رپورٹ کے وقت ان کا مسلک ہمارے نزدیک صحیح نہیں رہا تھا تاہم یہ شبہ بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ انہیں کوئی ذاتی آرزو دھر لے گئی۔ یہ محض اختلاف رائے تھا جو نیک نیتی پر مبنی تھا۔ اس کے باوجود کوئی حق شناس آدمی اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ مولانا مرحوم موجودہ دور میں بے لاگ اور بے لوث رہنمائی کا ایک نادر نمونہ تھے اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کی تڑپ ہمارے علم کے مطابق ہر قدر اور ہر عہد

؎ روزنامہ انقلاب لاہور [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں ان کی سرگرمی عمل کا محور و مرکز رہی۔ حالانکہ بعض حالتوں میں یہاں بھی ان سے اختلاف رائے کی ضرورت پیش آئی"۔ [1]

زندگی کے آخری آٹھ دس برس انہوں نے ذکر و عبادت اور کتابوں کی صحبت میں بسر کیے۔

ملک کے سیاسی معاملات میں ان کا اندازِ فکر وہی تھا جو جماعت اہل حدیث کے دوسرے اکابر کا تھا۔ ان کے تذکرہ نگاروں [2] نے ان کی دین داری، تقویٰ، ایثار، خدمت ملت اور سیاسی و دینی رہنمائی میں ان کے اخلاص اور ان کی بصیرت و فراست کا اعتراف کیا ہے۔ لیکن مولانا نصر اللہ خاں عزیز کی یہ بات محل نظر ہے کہ:۔

"ان کی دل چسپی جماعت اسلامی کی تحریک اقامت دین سے ہو گئی تھی۔ رسالہ ترجمان القرآن شروع سے ان کے مطالعے میں تھا اور وہ نہ صرف تحریک سے متاثر تھے بلکہ اسے وقت کی سب سے اہم تحریک سمجھتے تھے"۔

کسی کی رواداری کا یہ مطلب نکالنا درست نہیں۔ اس بات میں اس سے زیادہ حقیقت نہیں کہ اس خط میں۔ ہے جو مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کی مدح میں جماعت اسلامی کے ایک دوسرے اہل قلم توقیر سبحانی (سرگودھا) نے مولانا ابو الاسلام آزاد مرحوم کی جانب سے وضع فرمایا اور جماعت اسلامی کے محی الدین صاحب نے اپنی کتاب "اسلام بیسویں صدی میں" پیش کیا ہے [3]

مولانا مہر صاحب مرحوم نے اپنے مقالے میں جس کا تذکرہ پچھلی سطروں میں آ چکا ہے۔ ان کے علم و فضل، اوصاف و کمالات سیرت، خدمات دینی و ملی کا نہایت کھلے دل سے اعتراف، دینی و ملی خدمت کے میدان میں ان کے انتقال سے پیدا ہونے والے خلا کا تذکرہ اور ان کی وفات پر نہایت پرسوز الفاظ میں ماتم کیا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

---

[1] روزنامہ انقلاب لاہور ۲۰ نومبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۳

[2] تذکرہ نگاروں سے مراد مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا غلام رسول مہر، مولانا عبد المجید سالک، مولانا نصر اللہ خاں عزیز، پروفیسر محمد سرور اور شورش کاشمیری [illegible] ہیں [illegible]

© rasailojaraid.com

"ہر انسان کی موت پر اس کے عزیز اور رفیق طبعاً علیٰ قدر العلائق گریہ و ماتم کرتے ہیں لیکن انسان روزانہ پیدا نہیں ہوتے جن کا ماتم دنیا کے عام روابط عزیزداری سے بدرجہا زیادہ وسیع ہو یا جن کی خالی کردہ جگہ کے پُر ہونے کی امید قرنوں تک پوری ہوتی نظر نہ آئے۔ حضرت عبدالقادر ایسے ہی نادر الوجود انسان تھے۔ وہ اپنے علم و فضل، اخلاق و طبیعت اور روش و عمل کے اعتبار سے سلفیت کا ایک بدیع مرقع تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ دورِ حاضر کا کوئی ضروری اور مفید وصف ایسا نہ تھا جس سے وہ بوجہ احسن متصف نہ ہوں۔ پھر ان کی ساری زندگی بہترین قومی، ملی اور دینی خدمات میں گزری۔ تقویٰ، ایثار اور جہاد فی سبیل اللہ میں انہیں رفیع مرتبہ حاصل تھا۔ وہ ایک قرن تک ہندوستان کی سیاسی، وطنی، ملی تحریکات میں ایک عالی مرتبت اور باثر رکن کی حیثیت میں کارفرما رہے اور اس صوبے میں تو برسوں عملی قومی زندگی کا سب سے بڑا مرکز وہی تھے۔ انہوں نے شہرت کی کبھی آرزو نہ کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں ہندوستان گیر شہرت عطا کی۔ وہ دولت کے کبھی خواہاں نہ ہوئے لیکن دولت بھی انہیں لقب بہ افراط میسر رہی...... ان کی موت ایک ایسے فرد کی موت ہے جو علم و فضل کے گوناگوں محاسن کی وجہ سے ایک جماعت کے برابر تھا۔ ان کی زندگی کے بہترین لمحات خدمتِ خلق، خدمتِ دین اور خدمتِ وطن میں گزرے اور کیسی خدمت؟ وہ خدمت نہیں جس کا طول و عرض ہمارے عہد میں بالعموم چند نعروں یا جلوس یا پھولوں کے ہاروں یا چند لغو تقریروں تک محدود ہوتا ہے بلکہ حقیقی، ٹھوس، پائیدار اور مستقل اور نتیجہ خیز خدمت۔ وہ خدمت جسے ایک عمل پیرا اور عمل کوش دل خدمت قرار دے۔" (روزنامہ انقلاب لاہور ۱۹ نومبر ۱۹۴۲ء)

(حاشیہ صہ) اس سلسلے میں چٹان لاہور ۱۹، ۲۶ فروری اور ۱۹ مارچ ۱۹۶۲ء، ایشیا لاہور ۲۸ فروری ۱۹۶۲ء اور انہی تاریخوں کے شہاب لاہور کے بعض شمارے دیکھنے چاہئیں۔ ۱۹ فروری کے چٹان میں جماعت اسلامی کے افراد کی اس اسلامی خدمت اور سیرت پر کالم کے ساتھ گفتنی و ناگفتنی کے عنوان سے شورش صاحب کی ایک نہایت دل چسپ نظم اس صفحے پر شائع ہوئی ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے [illegible] وہ لوگ جن سے شرم رسول خدا کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس مقابلے میں ان کے ایثار رضاً اللہ و فی اللہ اور دینی و ملی کارکنوں کی خدمت گزاری کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

"بیسیوں کارکنوں کے مختلف مصارف برسوں اپنی جیب سے ادا کرتے رہے اور انداز ایسا تھا کہ ان کارکنوں کے سوا کبھی کسی کو اس قسم کی اعانت کا علم نہ ہونے دیا۔ اس حسنِ عمل، اس تقوے اور اس ایثار کی شان آج کہاں ملتی ہے" ؎

ان کی خدمات ملی کے کئی ایسے پہلو بھی تھے جو بوجوہ دنیا پر ظاہر نہیں ہو سکے اور اب ان کی تفصیلات کا مہیا کرنا بھی اگر ناممکن نہیں تو مشکل بہت ہو گیا ہے مثلاً :۔

۱۔ تحریکِ جہاد اور یاغستان میں اس کے مرکز سے ان کا تعلق اور مجاہدین کی امداد اور اعانت کے لیے ان کی مساعی جمیلہ۔

۲۔ تحریکِ آزادیٔ وطن کے لیے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کے انقلابی منصوبے سے ان کا تعلق جس کی تکمیل کے لیے انہوں نے اپنے نامور مولوی محمد علی کو ہجرت کابل کی اجازت دی تھی۔

۳۔ مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم کابل میں جو خدمات انجام دے رہے تھے اور حضرت شیخ الہند نے جن ملی مقاصد کے حصول کے لیے حجاز کا سفر اختیار کیا تھا۔ پنجاب میں ان کی تکمیل کی ذمہ داری کی تفصیلات۔

ان کی خدمات کے یہ پہلو ایسے تھے جنہیں ۱۹۴۲ء تک بھی کھول کر بیان کرنے کے لیے حالات سازگار نہ تھے۔ مولانا مہر صاحب مرحوم نے ان سطروں میں اس طرف اشارہ کیا ہے:

"ان کی پر عمل زندگی کے یہ اوراق ساری دنیا کے سامنے ہیں لیکن کئی اوراق ایسے بھی ہیں جو اب تک ان کے چند خاص رفیقوں کے سوا کسی کے سامنے نہ آئے اور پوری ذمہ داری کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اوراق بھی دین و اسلامیت کی بہترین خدمات سے مزین ہیں۔ لیکن ان کی تفصیل کا نہ یہ موقع ہے اور نہ احوال و ظروف انہیں کھول

؎ روزنامہ انقلاب لاہور ۱۹ نومبر ۱۹۴۲ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو بیان کرنے کے لیے فی الحال سازگار نظر آتے ہیں۔" [1]

اس وقت احوال و ظروف اس کے لیے سازگار نظر آتے تھے کہ ان دینی و اسلامی خدمات کے تمام پہلوؤں سے پردہ اٹھایا جاتا لیکن آج ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ان کے وہ چند خاص رفیق بھی اس دنیا میں موجود نہیں ہیں جو مولانا مرحوم کی خدماتِ ملی کے ان اسرار سے واقف تھے بلاشبہ اگر ہماری خدمت اور اہل قلم قومی بے حسی کی شدید معصیت میں گرفتار نہ ہوتے اور قیام پاکستان کے بعد توجہ کی جاتی تو نہ صرف مولانا عبدالقادر یا کسی خاص جماعت کی خدمات کے کچھ پہلو سامنے آتے بلکہ قومی تاریخ کا بہت بڑا سرمایہ فراہم ہو جاتا۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

مولانا ابوالکلام آزاد سے انہیں الہلال کے ابتدائی دور سے تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ مولانا نے خود اعتراف کیا ہے کہ اس خاندان نے ان کی دعوت پر اس وقت لبیک کہا تھا جب بہت کم لوگ متوجہ ہوئے تھے۔ بقول شورش کاشمیری:۔

"انجمن پنجاب میں مولانا آزادؒ کا نائب سمجھا جاتا تھا۔"

ان کے خاندان سے مولانا کے قریبی روابط کی بنا پر بعض لوگوں کو تو یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ مولانا کی ان سے رشتہ داری بھی ہے۔ بلاشبہ مولانا آزاد سے ان کا رشتہ تھا اور ایسا رشتہ تھا جس کے سامنے نسل و خون کے تمام رشتے ہیچ ہیں۔ یہ رشتہ خدمتِ حق میں باہم معاونت کا تھا اور یہ رشتہ زندگی بھر رہا۔ سید سلیمان ندوی، نصراللہ خاں عزیز، شورش کاشمیری، عزیز وغیرہم نے مولانا آزاد سے ان کے قریبی روابط اور پنجاب میں مولانا کی نیابت کا تذکرہ کیا ہے۔ خود مولانا آزاد کے ایک رسالہ "اعلان" سے تحریکِ ہجرت کے زمانے میں پنجاب میں ان کی جانب سے نظم و بیعت کی اجازت کا پتہ چلتا ہے۔ سید سلیمان ندوی نے ان کے انتقال پر ان کی شخصیت و خدمات کا مرقع ان الفاظ میں کھینچا ہے:

---

[1] روزنامہ انقلاب لاہور ۱۹ ار نومبر ۱۹۴۲ء ۔ ص ۳

© rasailojaraid:com

© rasailojaraid.com

"پنجاب کے نامور عالم اور وکیل و مجاہد سیاسیات مولانا عبدالقادر قصوری ...... عربی کے عالم، دینیات کے فاضل اور انگریزی سے واقف تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے الہلال والی تحریک سے ان کو ایسی دلچسپی تھی کہ اس کے لیے انہوں نے بہت کچھ نثار کیا۔ اپنے ایک صاحبزادے کو ایک طرف عالم بنایا اور دوسری طرف کیمبرج کا گریجویٹ۔ اسی طرح اپنے دوسرے بیٹے کو بھی عربی و انگریزی کی تعلیم دلائی اور دونوں کو مع اپنی زندگی کے بہت سے سرمایے کے دعوت و تبلیغ اسلام کے کاموں کی نذر کر دیا جن کا سلسلہ ایک زمانے میں بمبئی سے لے کر مدراس تک جال کی طرح پھیلا ہوا تھا۔ خلافت کی تحریک میں کامیاب وکالت کو خیرباد کہہ کر قومی و سیاسی تحریکوں میں شامل ہو گئے اور اخیر تک اپنے عہد پر قائم رہے۔"

"حجاز کے وفدِ خلافت[1] میں جو ۱۹۲۴ء میں جدہ تک جا سکا تھا، وہ خاکسار کے ساتھ تھے۔ اگرچہ وفد کی صدارت برائے نام میرے نام تھی، مگر ان کے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھایا جا سکتا تھا۔ جدہ کے نہایت پرخطر موقعوں پر جب جان کا خطرہ بھی تھا، وہ برابر ہمت بڑھاتے رہے۔ سوڈان، جدہ اور قاہرہ میں ہر جگہ وہ ساتھ تھے۔"

"مرحوم مسلکاً اہل حدیث تھے۔ نہایت دین دار، متواضع، ملنسار، پابند وضع، علامہ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیم کی تصانیف کے بڑے شائق تھے اور انہی کی تحقیقات پر ان کا عمل تھا۔ خلافت حجاز اور کانگریس میں بیش از بیش حصہ لیا اور اس عمر میں بھی جو غالباً اسی کے قریب ہو گئی وہ اپنے جذبات کے لحاظ سے ایسے ہی جوان تھے۔ ادھر سیاسیات کی عملی تحریکوں سے کنارہ کش تھے۔"[2]

---

[1] یہ وفد تین ممبروں پر مشتمل تھا۔ تیسرے ممبر مولانا عبدالماجد بدایونی تھے۔

[2] یادرفتگاں، کراچی ۱۹۵۰ء صفحہ ۲۷۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شورش کاشمیری صاحب نے ان کی شکل اور شمائل کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:۔

"آخر عمر میں سیاست سے کنارہ کش ہو گئے اور تمام وقت یادِ اللہ میں بسر کیا۔ پابند صوم وصلوٰۃ بلکہ تہجد گزار تھے۔ شرعی صورت، اجلی داڑھی، نکلتا ہوا قد، روشن آنکھیں، لہجے میں علم اور زبان میں شرافت"[1]

مولانا نصر اللہ خاں عزیز نے نہ صرف ان کے بلکہ ان کے پورے خاندان کے سنت سے شغف اور اس پر عمل کی خوبی کا ذکر کیا ہے لکھتے ہیں:۔

"مولانا عبد القادر اہل حدیث مسلک کے پابند تھے۔ ان کا سارا گھرانہ اہل حدیث مسلک کا نہ صرف معتقد بلکہ اس کی جزئیات تک پر سختی سے عامل تھا"[2]

مولانا قصوری اور ان کے خاندان کی اس خوبی کے بعد دینداری اور تقوے کی اور کون سی خوبی رہ جاتی ہے جس کا ذکر کیا جائے۔ ۲۵ نومبر ۱۹۴۲ء کی شام کو پونے پانچ بجے لاہور میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی میت کو قصور لے جایا گیا اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔ سید صاحب کے اندازے کے مطابق انتقال کے وقت ان کی عمر اسی برس کی تھی۔

بقیہ: مرزا محمود کی سیاسی پیشگوئیاں

استعماری طاقتوں کی جو سازشیں کامیاب ہوئیں اور قادیانی خلیفہ ان کے بارے میں پہلے سے پیش گوئی کر چکا تھا۔ انہیں خانہ ساز خلافت کی صداقت قرار دینے کے لیے بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے اور جو پیشگوئیاں پوری نہیں ہوئیں۔ یا دوسرے لفظوں میں سازشیں ناکام ہو گئیں۔ انہیں قادیانی احبار ورہبان تا ویلات کے بحر بے کنار میں ڈبو کر حق نمک ادا کرتے ہیں۔ ان پیش گوئیوں کے پس پردہ خاص سیاسی مقصد کارفرما ہوتا ہے۔ اور "مرکز حقیقی" سے ہدایت ملنے کے بعد عامر الج کے سیاسی کاہن ایسی پیش گوئیاں کرتے ہیں۔

---

[1] ہفت روزہ چٹان لاہور ۱۹۵۲ء

[2] ایضاً ۲۰ نومبر ۱۹۵۹ء

© rasailojaraid.com